اردو (لازمی)	دہم 2018ء	پرچہ II: (انشائیہ طرز)
وقت: 2.10 گھنٹے	(پہلا گروپ)	کل نمبر: 60

(حصہ اوّل)

2- درجِ ذیل نظم وغزل کے اشعار کی مختصر تشریح کیجیے (تین اشعار حصہ نظم سے اور دو اشعار حصہ غزل سے): (10)

(حصہ نظم)

(i) اُسی نے ایک حرفِ کُن سے پیدا کر دیا عالم
کشاکش کی صدائے ہاؤ ہُو سے بھر دیا عالم

(ii) پانی تھا آگ، گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی، کباب تھی

(iii) یہ سماں اور اک قوی انسان، یعنی کاشت کار
اِرتقا کا پیشوا، تہذیب کا پروردِگار

(iv) اس کی چھاتی پر کئی ٹانگے اُلٹ کر رہ گئے
سیکڑوں گھوڑوں کا اس پر ہو چکا ہے انتقال

(حصہ غزل)

(v) مُصیبت بھی راحت فزا ہو گئی ہے
تری آرزُو رہنُما ہو گئی ہے

(vi) مِل کے بھی جو کبھی نہیں مِلتا
ٹُوٹ کر دل، اُسی سے مِلتا ہے

(vii) ایک مُدّت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے، ایسا بھی نہیں

(حصہ نظم)

جواب: (i) تشریح:

اس شعر میں شاعر حفیظ جالندھری اللہ رب العزت کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی

نے اس دنیا کو ایک لفظ ''کن'' کہہ کر بنایا ہے۔ ''کن'' کا مطلب ہے ''ہو جا''

''اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو فرما دیتا ہے ''کن'' یعنی ہو جا' تو وہ ہو جاتی ہے۔'' (القرآن)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اور اس میں بے شمار چیزیں انسانوں کے لیے پیدا کی ہیں۔ اور دنیا میں ہر طرف گہما گہمی اور رونقیں لگائی ہیں۔

(ii) تشریح:

شاعر میر انیس نے میدانِ کربلا میں گرمی کی شدت کو قیامت کے روز کی گرمی کے برابر قرار دیا ہے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا' جیسے قیامت آ گئی ہے۔ پانی اتنا زیادہ گرم تھا کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی پریشان تھیں۔ اوّل تو وہ پانی کی سطح پر آتی نہیں تھیں' اگر کوئی مچھلی غلطی سے پانی کی سطح پر آ بھی جاتی تھی تو وہ گرمی کی شدت سے جل بھن کر کباب بن جاتی تھی۔ مطلب یہ کہ پانی بھی گرمی کی حدت کی وجہ سے بہت گرم تھا۔

(iii) تشریح:

صبح سویرے کے اس خوبصورت منظر میں ایک مضبوط' طاقتور اور توانا انسان یعنی کاشت کار اپنے کھیتوں کی جانب رواں دواں ہوتا ہے۔ کسان اور کاشت کار محض کھیتی باڑی کرنے کا ذمہ دار نہیں' بلکہ وہ ارتقا کا پیشوا اور تہذیب کو فروغ دینے والا ہے۔ انسانی تہذیب و ترقی کی تمام منازل میں کسان نے اپنی محنت و مشقت سے ایک سرگرم کردار ادا کیا ہے۔

(iv) تشریح:

شاعر ایک سڑک مال گودام روڈ کے بارے میں بتاتا ہے کہ اس سڑک کے سینے پر بہت سے تانگے اُلٹ کر رہ گئے اور سیکڑوں گھوڑوں کا اس پر انتقال ہو چکا ہے۔ یعنی سڑک اتنی خستہ حال ہے کہ اس پر تانگے کا چلنا محال ہے۔ اکثر تانگے اُلٹ کر گر جاتے ہیں' اور گھوڑوں کو اتنی شدید چوٹیں آتی ہیں کہ ان کا انتقال ہو جاتا ہے۔ شاعر اس شعر میں ایک سڑک کی خستہ حالی اور اُس پر گرنے والے تانگوں اور گر کر مرنے والے گھوڑوں کے بارے میں بیان کر رہا ہے۔

(حصہ غزل)

(v) تشریح:

غزل کے پہلے شعر میں شاعر حسرت موہانی کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خواہش دل میں گھر کر لیتی ہے تو اس کی راہ میں آنے والے مصائب میں بھی دلی سکون ملتا ہے۔ جب

انسان محبتِ الٰہی کو مرکز و محور مان لیتا ہے تو پھر اللہ کی راہ میں آنے والے تمام مصائب، تکالیف اور دُکھ قربِ الٰہی کے سکون کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ پھر بلال حبشیؓ جیسے عاشقِ صادق کو تپتے صحرا میں انگاروں جیسے گرم پتھر پر رکھ کر کوڑے بھی مارے جائیں تو زبان سے صرف اَحد اَحد کی صدا بلند ہوتی ہے۔ گویا کہ اللہ کی راہ میں آنے والی ہر تکلیف اللہ کے قُرب اور سکون و راحت کا ذریعہ بنتی ہے۔

(vi) تشریح:

اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کی لاپروائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ میرا محبوب میرے قریب ہوتے ہوئے بھی قریب نہیں ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، مگر وہ میرا ساتھ نہیں دیتا، اس کی لاپروائی اور بے وفائی سے میرا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ میں اس سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ میرا دل پھر بھی اسی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ شاعر اسی کی قربت کا سکون حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(vii) تشریح:

شاعر اس شعر میں کہتا ہے کہ ایک عرصہ گزر گیا ہے کہ مجھے اس کی یاد نہیں آئی ہے، لیکن ایسی بات بھی نہیں ہے کہ میں اُسے بالکل ہی بھول گیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ شاعر اپنے محبوب کو دل سے چاہتا ہے۔ زبان سے اسے بھول جانے کا اقرار تو کرتا ہے، لیکن دل سے اسے باہر نکالنا اس کے لیے بہت مشکل ہے۔ اس کی محبت اسے کسی وقت بھی بے چین اور بے قرار کر سکتی ہے۔

(حصہ دوم)

سوال 3:- درج ذیل نثر پاروں کی تشریح کیجیے۔ سبق کا عنوان، مصنف کا نام اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیے: **(5,5)**

(الف) یہ سوچ کر اُس کا دل بیٹھنے لگا اور وہ خاموشی سے نیم تاریک سی کالی کلوٹی سڑک کی طرف دیکھنے لگی؛ جس پر اِکا دُکا چرخ چوں کرتے ہوئے یکے کی میلی چمنیوں والی بتیوں سے ایک کثیف سی روشنی نکل کر سڑک پر رینگ رہی تھی۔ اس کا خیال فوراً ہی اپنی موجودہ حالت کی طرف دوڑ گیا۔

(ب) شہر کا حال کیا جانوں کیا ہے؟ ''چونگی کوئی چیز ہے وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں؛ جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلے گا۔ دکانیں حویلیاں ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی۔''

جواب: سبق کا عنوان: ململ مصنف کا نام: ہاجرہ مسرور

مشکل الفاظ کے معانی:

نیم تاریک: کم روشن اِکا دُکا: کم کم، کوئی کوئی

چرخ چوں: دھیمی آواز کثیف: گاڑھا، آلودہ

تشریح:

ہاجرہ مسرور نے اس افسانے میں ایک بہت بڑی حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے کہ انسان اپنے اوپر بناوٹ کا لبادہ اوڑھ کر اپنی اصل کو بھول جانا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد صرف دوسروں کو متاثر کرنا ہوتا ہے۔

اس پیراگراف میں مصنفہ بتاتی ہیں کہ جب قُلی نے اکیلے سفر کرنے والی لڑکی کو پلیٹ فارم پر بیٹھ جانے کے لیے کہا تو اُس لڑکی نے سوچا کہ اس قُلی نے مجھے ان غریب لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کے لیے کیوں کہا ہے۔ اس نے سوچا کہ اُس کے ریشمی برقعے، خوبصورت چہرے اور عمدہ سامان کی قلی کی نظر میں کوئی حیثیت کیوں نہیں ہے؟ وہ خاموش ہو کر نیم تاریک سڑک کو دیکھنے لگی۔ یکے کی لالٹین کی میلی چمنیوں سے کثیف روشنی نکل کر سڑک پر رینگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ دیکھنے والے یقیناً اسے امیر گھرانے کی آزاد خیال لڑکی سمجھ رہے ہوں گے، لیکن حقیقت میں وہ اپنے مٹے ہوئے خاندان کی قابل، لیکن پریشان حال لڑکی تھی۔

(ب) سبق کا عنوان: خطوطِ غالب

مصنف کا نام: مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

مشکل الفاظ کے معانی:

پون ٹوٹی: محصول چونگی محصول: ٹیکس جامع مسجد: شہر کی سب سے بڑی مسجد

دارالبقا: باقی رہنے والا گھر

تشریح:

مرزا اسد اللہ غالب نے نہایت اچھوتے انداز میں اپنے شہر کا حال بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ شہر کا کیا حال ہو رہا ہے؟ شہر میں ہر شے پر محصول چونگی لگا دیا گیا ہے۔ شہر میں موجود جامع مسجد کو وسیع کرنے کے لیے اس کے گرد پچیس پچیس فٹ جگہ کھودی جائے گی، اس طرح ایک گول میدان بنے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بہت سی دکانیں اور حویلیاں گرائی جائیں گی۔ یہاں پر ایک درس گاہ "دارالبقا" ہے، وہ بھی گرائی جائے گی۔ ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کا نام ہی باقی

رہے گا۔ خان چند کے کوچے سے لے کر شاہ بولا کے بڑ تک' جو عمارت بھی ہوگی' ڈھا دی جائے گی۔ کام تیزی سے ہو رہا ہے' دونوں طرف سے پھاوڑے چل رہے ہیں۔ باقی ہر طرح سے خیریت ہے۔

سوال 4:- درجِ ذیل میں سے کوئی سے پانچ سوالات کے مختصر جوابات لکھیے: (10)

(i) مرزا محمد سعید کس لیے لکھتے تھے؟

جواب: مرزا صاحب ہمیشہ ذاتی تسکین کے لیے لکھتے تھے۔ کام کرتے تھے' اس لیے کہ انھیں کام کرنا ہوتا تھا۔ وہ ستائش کی تمنا اور صلے کی پرواہ سے بے نیاز ہو کر کام کرتے تھے۔ فرمائشی کام اُنھوں نے ساری عمر نہیں کیے۔

(ii) پرستان کے پھلوں کی خاص بات کیا تھی؟

جواب: پرستان کے پھلوں میں یہ خاص بات تھی کہ جب ایک پھل توڑا جاتا' دوسرا پھل اس کی جگہ فوراً نکل آتا۔ کلیوں کو جو چکھا تو نفیس اور ہلکی خوشبو والی مزے دار مٹھائیاں تھیں۔ جس کھانے کا خیال دل میں ہوتا' وہ پھل وہی ذائقہ دیتا۔

(iii) سبق ''ملمع'' میں لڑکی سفر کیوں کر رہی تھی؟

جواب: سبق ''ملمع'' میں لڑکی اپنے بیمار چچا کی عیادت کے لیے سفر کر رہی تھی۔

(iv) سبق ''خطوطِ غالب'' میں کون سی دو چیزوں پر محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا؟

جواب: سبق ''خطوطِ غالب'' میں اناج اور اُپلے دو ایسی چیزیں تھیں' جن پر محصول وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

(v) سبق ''اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے'' میں حکومت کی اولین ترجیح کیا ہے؟

جواب: سبق ''اُٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے'' میں حکومت کی اولین ترجیح دہشت گردی کا خاتمہ کرنا ہے۔

(vi) نظم ''نعت'' میں انسان کو انسان کا عرفان ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: انسان کو انسان کا عرفان ہونے سے مراد ایک انسان کو دوسرے انسان کی پہچان ہونا ہے' اور یہ پہچان حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعلیمات کی بدولت ممکن ہوئی ہے۔

(vii) نظم ''اونٹ کی شادی'' میں نکیل پڑنے سے شاعر کی مراد کیا ہے؟

جواب: نکیل پڑنے سے شاعر کی مراد ہے سر پر ذمہ داریوں کا بوجھ آ جانا اور آزادی کا ختم ہو جانا۔

(viii) شاعر کے ہاں مصیبت کے ''راحت فزا'' ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: شاعر کے ہاں مصیبت کے ''راحت فزا'' ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رضائے الٰہی اور خوشنودی

الٰہی کی خواہش، آرزو اور تمنا اُس کی رہنما ہوگئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت کے راستے میں آنے والی ہر مصیبت اور مشکل اُس کے لیے پریشانی یا دُکھ نہیں، بلکہ سکون واطمینان کا ذریعہ ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس راہ میں آنے والی یہ کڑی آزمائش اُسے پاک پروردگار کی قربت کے حصول کا یقین دلاتی ہے۔

سوال 5:- کسی ایک سبق کا خلاصہ لکھیے: (5)

(i) ملمع (ii) چُغل خور

جواب:

(i) ملمع

اس کہانی میں ایک غریب لڑکی ٹکٹ گھر کے سامنے سیاہ ریشمی قیمتی برقعے میں لپٹی کھڑی تھی۔ دیکھنے سے کسی امیر گھرانے کی لگتی تھی۔ اُس نے قُلی سے پوچھا کہ ٹکٹ گھر کیوں بند ہے؟ قلی نے بتایا کہ یہ گاڑی ہمیشہ لیٹ آتی ہے، اسی لیے ٹکٹ گھر ابھی تک بند ہے۔ اس نے ایک نوجوان کو قیمتی اوورکوٹ پہنے اسی طرف آتے دیکھا۔ لڑکی نے سمجھا کہ شاید یہ ٹکٹ خریدنے آیا ہے، لیکن وہ لڑکی پر ایک نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ لڑکی نے سوچا، یہ کوئی امیر زادہ ہوگا۔ اوورکوٹ والا نوجوان بار بار لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی غربت کا راز اس امیر لڑکے پر کُھلے۔

لڑکی اپنے چچا کی عیادت کے لیے دوسرے شہر جا رہی تھی۔ لڑکی نے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر آئی۔ قلی نے اس کا سامان ڈبے میں رکھا۔ لڑکی ڈبے میں بیٹھنے کے لیے آگے بڑھی تو وہی نوجوان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لڑکی فوراً ہجوم سے باہر نکل آئی اور انٹر کلاس کے ڈبے میں بیٹھ گئی۔ قلی کو بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ لڑکی تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر انٹر کلاس میں کیوں بیٹھ رہی ہے۔

وہ دروازے کے ساتھ کھڑی ہوگئی، اس نے دیکھا کہ نوجوان اسے میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سارا راستہ لڑکی خوف زدہ رہی کہ کہیں ٹکٹ چیکر آ کر ٹکٹ نہ چیک کر لے۔ جیسے ہی اس کا سٹیشن آیا تو وہ فوراً اتر گئی، اور خوش ہوئی کہ نوجوان کو اس کی مفلسی کا نہیں پتا لگا، لیکن عجیب اتفاق تھا کہ نوجوان بھی اسی سٹیشن پر اترا۔ لڑکی اب گیٹ سے گزرتے ہوئے اپنا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ چھپانا چاہتی تھی، لیکن یہ بھی نہ ہو سکا کیونکہ اوورکوٹ والا نوجوان گیٹ کے پاس ہی کھڑا تھا۔ نوجوان مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لڑکی شرمندگی کی حالت میں چچا کے گھر پہنچ گئی۔ اب اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ دھوپ کھانے چھت پر آ گئی۔ اس نے پڑوس کے صحن میں اُسی نوجوان کو پرانی تہ بند باندھے پرانی سی

چارپائی پر لیٹے دیکھا۔ نوجوان نے بھی اسے دیکھ کر پھرتی سے کروٹ بدل لی۔ لڑکی نے اپنی چچازاد بہن سے پوچھا کہ اُس مکان میں کون رہتا ہے؟ وہ بولی! اس مکان میں ایک بیوہ عورت اپنے لڑکے کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا لڑکا شہر میں پڑھتا ہے۔ یہ عورت ہمارے کپڑے سیتی ہے اور بہت کم سلائی لیتی ہے۔ لڑکی سورج کے رُخ کھڑی ہو کر اپنے قیمتی برقعے کو گھورنے لگی۔

(ii) چُغل خور

کسی گاؤں میں ایک چغل خور رہتا تھا۔ وہ چغلی کی عادتِ بد میں مبتلا تھا۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنی عادت نہ چھوڑ سکا۔ اس عادت کے نتیجے میں اسے اپنی ملازمت سے ہاتھ بھی دھونا پڑے۔ نوبت فاقوں تک آ گئی۔ اسے کسی دوسری جگہ بھی ملازمت نہیں ملتی تھی، کیوں کہ ہر کوئی اس کی چغل خوری سے واقف ہو چکا تھا۔ اُس نے کسی دوسرے گاؤں جا کر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔

وہ ایک کسان کے پاس پہنچا۔ کسان اکیلا تھا، اسے کام کاج کے لیے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ چغل خور کھیتی باڑی کا کام جانتا تھا۔ چغل خور روٹی کپڑے کی شرط پر ملازم ہو گیا۔ اس نے کسان سے کہا کہ اس کے علاوہ میں چھے ماہ بعد آپ کی ایک چغلی کھایا کروں گا۔ کسان نے سوچا مفت کا ملازم ہے۔ چغلی کھانے سے میرا کیا بگڑے گا۔ میرا کون سا راز ہے جو ظاہر ہو جائے گا۔

چغل خور ملازمت کرتا رہا۔ چھے ماہ بیت گئے۔ چغل خور نے چغلی کھانے کا کام شروع کیا۔ وہ کسان کی بیوی کے پاس آیا اور اسے کہا کہ کسان کوڑھی ہو گیا ہے، اس کی نشانی یہ ہے کہ کوڑھی کا گوشت نمکین ہو جاتا ہے۔ بیوی کو شک ہو گیا۔ اُس نے کہا "میں کل اس کا جسم چاٹ کر آزمائش کروں گی۔" اس کے بعد چغل خور کسان کے پاس گیا اور کہا "تمھاری بیوی پاگل ہو گئی ہے اور کاٹنے کو دوڑتی ہے۔" کسان بولا "آج تو میں کھیت میں ہوں۔ کل وہ آئے گی تو اس کی آزمائش کروں گا۔" وہاں سے چغل خور کسان کے سالوں کے پاس پہنچا اور کہا "آپ یہاں آرام سے بیٹھے ہیں اور وہاں کسان روزانہ آپ کی بہن کو مارتا ہے۔" کسان کے سالوں نے کہا "ہم اس بات کو آزمائیں گے۔" جب چغل خور نے دیکھا کہ ان لوگوں نے میری بات پر اعتماد کر لیا ہے تو وہ کسان کے بھائیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا "آپ کیسے بھائی ہیں، کہ آپ کے ایک بھائی کو اس کے سالے روز مارتے ہیں اور آپ چپ چاپ تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو کل کھیت میں آ کر خود دیکھ لینا۔" کسان کے بھائی بولے "ہم کل ضرور آئیں گے۔"

اس طرح چغل خور سب کو بھڑکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ دوسرے دن کسان کی بیوی کسان کے لیے کھانا لے کر آئی۔ وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ کسی طرح کسان کا جسم چاٹ کر آزمائش کرے۔ اُدھر کسان بھی اس کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی کسان کی بیوی کسان کا بازو چاٹنے کے لیے آگے بڑھی، کسان سمجھا کہ شاید یہ مجھے کاٹنے لگی ہے۔ اس نے جوتا اُتار کر بیوی کی پٹائی شروع کر دی۔ کھیت میں چھپے کسان کے سالوں نے جب یہ منظر دیکھا تو انھیں چغل خور کی بات کا یقین آ گیا۔ وہ بھاگے بھاگے آئے اور کسان پر پل پڑے۔ دوسری طرف کسان کے بھائی بھی آ گئے۔ انھوں نے کسان کے سالوں پر لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں۔ لوگوں نے آ کر انھیں چھڑوایا اور پوچھا کہ کیا بات ہے۔ آپ کیوں لڑ رہے ہیں۔ اس پر سب نے اپنی اپنی بات بتائی کہ نوکر نے ہمیں اس طرح بتایا ہے۔ سب چغل خور کو ڈھونڈنے لگے مگر چغل خور اپنا کام کر کے جا چکا تھا۔ آج کوئی چغل خور اپنے آپ کو چغل خور نہیں کہتا، کیوں کہ وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں کسان اور اس کے بھائی سن نہ لیں اور اسے جان سے مار دیں۔

سوال :6- درج عنوانات میں سے کسی ایک پر مضمون لکھیے: **(15)**

(i) حُب وطن (ii) شہری زندگی کے مسائل (iii) پانی

جواب : (i) حُبِ وطن

مفہوم واہمیت:

حُبِ وطن سے مراد ہے وطن کی محبت۔ انسان جس جگہ پیدا ہوتا ہے اور زندگی کی منازل طے کرتے ہوئے بچپن اور جوانی گزارتا ہے، اس جگہ سے اسے بے حد لگاؤ ہوتا ہے۔ اسی سرزمین پر اس کے دیگر عزیز و اقارب اور دوست احباب ہوتے ہیں، جن کے ساتھ رہ کر وہ زندگی کا لطف اُٹھاتا ہے، اپنی خوشیوں اور غموں میں انھیں شریک کر سکتا ہے۔ وطن سے محبت کا جذبہ کوئی مصنوعی چیز نہیں، بلکہ ایک فطری عمل ہے۔ انسان دنیا میں جہاں مرضی گھوم لے جو سکون اور آرام اسے اپنے وطن میں نصیب ہوتا ہے وہ کہیں اور میسر نہیں آ سکتا۔

حب الوطنی، جزوِ ایمان:

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بھی اپنے وطن مکہ مکرمہ سے بے حد لگاؤ و محبت تھی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے وہاں سے ہجرت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بہت دکھی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شہر مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "تو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے، لیکن کیا کروں تیرے باشندے مجھے

یہاں رہنے نہیں دیتے۔"

جو لوگ وطن سے محبت نہیں رکھتے انھیں اس وطن میں ٹھہرنے کا بھی حق نہیں ہونا چاہیے اور جو لوگ اپنے ہی وطن سے بے وفائی کرتے ہیں، انھیں غدارِ وطن کہا جاتا ہے۔ وطن دراصل زمین کے ایک ٹکڑے یا کچی پکی اینٹوں سے تعمیر شدہ مکانات کے ڈھانچوں یا کھیتوں اور باغوں کا نام نہیں ہے، بلکہ وطن سے مراد وہ رشتے ہیں جو احساسات کے سانچے میں ڈھل کر دیگر لوگوں کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں، جو ہمارے دکھ سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔

وطن کی قدر و اہمیت:

اپنے وطن میں تحفظ کا احساس اور اس کی قدر و قیمت صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں، جنھیں ابھی تک دوسروں کی محکومی کرنا پڑ رہی ہے۔ جیسے بوسنیا، کشمیر اور فلسطین کے لوگوں کو اغیار کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے۔ ان جگہوں کے مظلوم لوگ اپنی ذات کے لیے نہیں لڑ رہے، بلکہ نظریاتی اساس کے حوالے سے ایک آزاد وطن کے لیے مصروفِ جہاد ہیں۔ خصوصاً اہلِ وطن جب دیارِ غیر میں چلے جاتے ہیں تو وہاں انھیں اپنے وطن کی یاد خوب تڑپاتی ہے۔ بعض اوقات اپنوں کی یاد اور وطن کی محبت اس قدر سر اٹھاتی ہے کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے ابراہیم ذوقؔ فرماتے ہیں:

ان دنوں گرچہ دکن میں ہے بہت قدرِ سخن
کون جائے ذوقؔ پر دِلّی کی گلیاں چھوڑ کر

مادرِ وطن پاکستان:

پاکستان ہمارا پیارا وطن ہے، جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا ہے۔ یہ ایک نظریاتی اسلامی ریاست ہے، جس کی بنیاد اسلامی خطوط پر استوار کی گئی ہے۔ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بھی کہا جاتا ہے۔ پاکستان سے سچی محبت کرنا ہر محبِّ وطن کا فرضِ اول ہے، اور اس کی ترقی و ترویج کے لیے اور اسے ناقابلِ تسخیر بنانے کے لیے دن رات کوشاں رہنا بھی ہر محبِّ وطن شہری کا وطیرہ ہونا چاہیے۔ تاکہ ہمارا ملک جہاں اپنا دفاع ناقابلِ تسخیر بنا سکے وہاں دیگر شعبہ جات میں بھی نام کمائے۔

اسلام کا نظریۂ وطنیت اور اقبالؒ:

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اسلامی نظریۂ وطن کو خوب واضح کیا ہے، کیونکہ اسلامی نظریۂ وطنیت مغربی نظریۂ وطنیت سے یکسر مختلف ہے۔ مغرب وطن کو ملکی سرحدوں میں قید کر کے رکھ دیتا ہے اور ہر محبِّ وطن صرف اپنے ملکی مفاد کے لیے سوچتا ہے اور صرف اپنی سرزمین اور اس پر بسنے والے لوگوں کے بارے میں

متفکر رہتا ہے جب کہ دیگر ممالک کے باشندے اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے حقوق کی پاسداری کے لیے باقی لوگوں کے حقوق پامال کردے۔ عالمی جنگوں کے اسباب میں سب سے بڑا سبب یہی نظریۂ وطنیت ہے، جس کے بارے میں اقبالؒ فرماتے ہیں:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے مذہب کا کفن ہے

مغربی نظریہ کے برعکس اسلام کا نظریۂ وطنیت عالمگیریت اور جامعیت کا حامل ہے۔ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو ایک برادری قرار دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو ایک خاندان۔ اس طرح مسلمانوں کا وطن سرحدوں میں قید نہیں، بلکہ جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں وہاں ان کے وطن کی سرحد ہے۔

الغرض! جذبۂ حُبُّ الوطنی نعمتِ خداوندی سے کم نہیں ہے اور اس جذبے کے تحت ہی انسان اپنے وطن سے محبت کرتا ہے اور ایک دن اپنی جان بھی اس پر وار دیتا ہے۔ تاکہ اس کی سلامتی ہمیشہ برقرار رہے۔ جیسے شاعر کہتا ہے:

ہم تو مر جائیں گے اے ارضِ وطن پھر بھی تجھے
زندہ رہنا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

(ii) شہری زندگی کے مسائل

آلودگی:

موجودہ دور کا سب سے بڑا گھمبیر مسئلہ آلودگی ہے۔ شہروں میں آلودگی کا تناسب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ شہروں کی فضائیں ٹریفک کے شور اور کارخانوں کے دھوئیں سے ہر وقت آلودہ رہتی ہیں۔ ٹریفک کا شور اور کارخانوں کا دھواں شہریوں میں ہلچل اور بے چینی پیدا کرنے کا اہم موجب ہے۔

افراطِ آبادی:

شہروں میں ایک بڑا اور پیچیدہ مسئلہ افراطِ آبادی ہے۔ افراطِ آبادی کا زیادہ تر اثر شہروں پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کرائے کا مکان خریدنا بھی بہت مشکل کام ہے۔ لوگ چھوٹے اور تاریک مکانوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ آلودگی کی وجہ سے صحت کے مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

خالص خوراک اور صاف پانی کی کمی:

شہریوں میں خالص اور تازہ خوراک کے فقدان کے ساتھ ساتھ پینے کا پانی بھی ناخالص ہے، جس

کے نتیجے میں شہری مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

تعلیمی و طبی سہولتوں میں کمی:

شہری علاقوں میں نقل مکانی کے رجحان کے باعث تعلیمی و طبی سہولتوں میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ آبادی میں تیزی سے اضافے اور نقل مکانی کے باعث جہالت اور بے روزگاری میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ مصنوعی اور بناوٹی زندگی لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی ہے۔ شہر میں زندگی بسر کرنے کے لیے اخراجات میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

مشینی زندگی:

شہری زندگی کو ایک دوسرے نام "مشینی زندگی" سے پکارا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ نفسا نفسی اور خود غرضی کا عالم عجیب منظر پیش کرتا ہے۔ انسان ایک دوسرے کے دُکھ سکھ کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ باہمی جذبات زوال پذیر ہو رہے ہیں۔ فرصت کے اوقات کی بے حد کمی ہے۔ انسان کو خود اپنے بارے میں سوچنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھ کر خوشیاں بانٹنے کی فرصت نہیں ہے۔

"انسان ایک مشین کے پرزے کی طرح کام کرتا نظر آتا ہے۔"

معاشی اقدار کی کمی:

شہروں میں آبادی بے پرواہی چارہ نہیں۔ سہولیات کے باوجود ذہنی و تعلیمی سکون نہیں۔ بناوٹ کی بجائے خلوص ہونا چاہیے۔ یہاں رزق کی فراوانی ہے پر قناعت نہیں۔ اس کی مثال اس پھول کی سی ہے جو خوشبو سے عاری ہے۔

(iii) پانی

پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ رب العزت کی خاص مہربانی اور عنایت ہے کہ پانی جس قدر اہم اور ضروری ہے اُسی قدر اس کی بہتات اور فراوانی ہے۔ ظاہر ہے کہ نباتات، حیوانات اور انسان کی حیات اور نشوونما کا تمام تر انحصار پانی پر ہے۔ اگر پانی نہ ہوتا تو نباتات کو تروتازگی اور شگفتگی حاصل ہوتی، نہ حیوانات کی انجمن میں یہ شور اٹھتا اور نہ ہی انسان اپنی زندگی اور روح کا تعلق قائم رکھ سکتا۔ گویا زندگی کی تمام تر رونق اور گہما گہمی کا دارومدار پانی پر ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کا بار بار ذکر کیا ہے اور انسان کو احساس دلایا ہے کہ وہ اس نعمت کا شکر بجا لائے۔ اس لیے بارش کو بارانِ رحمت کہا گیا ہے۔ یہ اُسی کا کرشمہ ہے کہ پیاسی اور سوکھی زمین سرسبز اور شاداب ہو جاتی ہے اور اس پر طرح طرح کا سبزہ لہلہانے لگتا ہے، قسم قسم کے نباتات بکثرت

پیدا ہوتے ہیں اور خزاں بہار میں بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ ایک موقع پر قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

”(اور وہی تو ہے جس نے) آسمان سے مینہ برسا کر تمھارے کھانے کے لیے انواع واقسام کے میوے پیدا کیے ہیں۔“

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ پانی کے بغیر حیات ناممکن ہے۔ اگر انسان کو ایک خاص مدت تک پانی میسر نہ آئے تو اس کا دم ہوا ہونے لگتا ہے، حلق سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اس وقت انسان کو احساس ہوتا ہے کہ پانی اللّٰہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ پانی کی قدر و قیمت کیا ہے۔ اس کا اندازہ اس حکایت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک بزرگ تشریف لائے۔ خلیفہ اُن سے پند ونصائح کا متمنی تھا۔ اس دوران خلیفہ نے پیاس محسوس کرتے ہوئے پانی طلب کیا۔ جب پانی کا پیالہ پیش ہوا تو اُس بزرگ نے وہ پیالہ اپنے ہاتھ میں لے لیا' اور خلیفہ سے پوچھا کہ فرض کریں کہ آپ کسی لق ودق صحرا میں پیاسے سرگرداں ہیں' اس وقت آپ کو پانی کے اس پیالے کی ضرورت پیش آئے تو اُسے کتنی قیمت پر خرید لیں گے؟ خلیفہ نے کہا کہ میں پیالے کے لیے اپنی آدھی سلطنت دینے پر تیار ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد اس بزرگ نے دوبارہ پوچھا کہ بالفرض آپ یہ پانی پی لیتے ہیں اور یہ جزوِ بدن بن کر پیشاب کی صورت میں آپ کے جسم سے خارج نہیں ہوتا تو اس بیماری کے علاج کے لیے آپ کتنا خرچ کر سکتے ہیں؟ خلیفہ نے کہا کہ میں اپنی باقی آدھی سلطنت بھی دے دوں گا اور اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس پر بزرگ نے کہا کہ دیکھا آپ نے! آپ کی پوری سلطنت کی قیمت پانی کا محض ایک پیالہ ہے' اس لیے آپ کس بات پر فخر اور غرور کر سکتے ہیں۔ اس نصیحت کا خلیفہ پر بہت اثر ہوا اور وہ پہلے سے بڑھ کر اللّٰہ کا شکر گزار بندہ بن گیا۔

جس طرح پانی ایک فرد کے لیے اہم اور ضروری ہے' اسی طرح ملکوں اور قوموں کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے کہ یہ پانی ہی ہے جو دریاؤں' نہروں' کنوؤں' ٹیوب ویلوں اور زمین دوز نالیوں کی صورت میں ہمارے کھیتوں' باغوں اور جنگلات کو سیراب کرتا ہے' اگر پانی کے یہ ذرائع ووسائل میسر نہ ہوں تو کسی بھی ملک کی ترقی وخوشحالی کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے' اس کی زراعت کا سارا دارومدار بہتر ذرائع آبپاشی پر ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے بند باندھ کر ان ذرائع آبپاشی کو زیادہ سے زیادہ ترقی دی جا رہی ہے اور پھر پانی کے ان ذخائر سے بجلی بھی پیدا کی جا رہی ہے' جو ہمارے مختلف منصوبوں اور ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہے۔ الغرض! پانی اللّٰہ تعالیٰ کی ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ ہمیں اس نعمت کی زیادہ سے زیادہ قدر کرنی چاہیے اور اللّٰہ رب العزت کا شکر بجا لانا چاہیے۔

سوال 7:- درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیے اور آخر میں دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کیجیے: (10)

پنجاب کی حد ان دنوں میں غزنی کی حد تک پھیلی ہوئی تھی اور راجہ یہاں کا جے پال تھا۔ جب مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے معلوم ہوئے تو اس نے غزنی پر ایک بھاری فوج سے چڑھائی کی۔ چنانچہ دفعتاً ملغان پر جا کر ڈیرے ڈال دیے اور پشاور سے کابل تک برابر لشکر پھیلا دیا۔ ادھر سے سبکتگین بھی نکلا۔ چنانچہ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں اور ایک دوسرے کی پیش قدمی کی منتظر تھیں کہ دفعتاً آسمان سے گولے پڑنے لگے۔ یعنی بے موسم برف گرنی شروع ہو گئی۔ وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے انھیں خبر بھی نہ ہوئی، ہندوستانی بے چارے اپنے لحاف اور رضائیاں ڈھونڈنے لگے، مگر وہاں رضائی کا گزارہ کہاں، سیکڑوں اکڑ کر مر گئے، ہزاروں کے ہاتھ پاؤں رہ گئے، جو بچے اُن کے اوسان جاتے رہے۔

سوالات:

(i) پنجاب کی حدود غزنی تک پھیلی ہوئی تھی، کس زمانے میں؟

جواب: راجہ جے پال کی حکومت کے زمانے میں پنجاب کی حکومت کی حدود غزنی تک پھیلی ہوئی تھی۔

(ii) جے پال کون تھا اور سبکتگین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: جے پال پنجاب کا راجہ تھا اور سبکتگین غزنی کا حکمران تھا۔

(iii) "وہ لوگ تو برف کے کیڑے تھے" کون برف میں رہنے کے عادی تھے؟

جواب: غزنی کے لوگ برف میں رہنے کے عادی تھے۔

(iv) وہاں رضائی کا گزارہ کیوں نہ تھا؟

جواب: شدید سردی کی وجہ سے وہاں رضائی کا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔

(v) جے پال اور سبکتگین میں جنگ کیوں نہ ہوئی؟

جواب: دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں کہ دفعتاً آسمان سے اولے پڑنے لگے۔ بے موسم برف باری گرنے کی وجہ سے جے پال اور سبکتگین کے درمیان جنگ نہ ہوئی۔